(غلام گردش)

فلم انڈسٹری

ستر کی دہائی میں پاکستان دنیا میں فیچر فلمیں بنانے والا چوتھا بڑا ملک بن چکا تھا۔کیا آج اس بات پر کوئی یقین کریگا۔کوئی بھی نہیں۔مگر حقیقت یہی ہے ہمارے ملک میں 1959 سے لیکر 1977 تک لازوال فلمیں بنائی گئیں۔لاہور، تقسیمِ ہند سے پہلے اس شعبہ کو اختیار کر چکا تھا۔1929 میں عبدالرشید کاردار نے راوی روڈ پر ایک سٹوڈیو قائم کیا۔کاردار نے ایک خاموش فلم بنائی جسکا نام "لاہور حسن کا ڈاکو" تھا۔اس فلم میں کسی قسم کا کوئی میوزک یا آواز نہیں تھی۔تقسیم کے بعد لاہور ہی میں، پہلی فیچر فلم بنائی گئی۔اس کا نام "تیری یاد" تھا۔1948 میں بننے والی یہ فلم آواز کے ساتھ تھی۔لاہور آہستہ آہستہ ملک کا ثقافتی سینٹر بن رہا تھا۔ساٹھ اور ستر کی دہائی میں لاہور ایک بین الاقوامی سطح کا شہر بن چکا تھا۔کیسے کیسے کامیاب فلم ساز، لائق ترین ہدایت کار اور مکمل طور پر پروفیشنل اداکار، اداکارائیں اور گلوکار موجود تھے۔ایک ایک شخص پر کالم نہیں کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔بے مثال بلکہ لازوال سطح کے سوچنے اور کام کرنے والے لوگ۔پاکستان ان اولین ممالک میں تھا جہاں ساٹھ کی دہائی ہی میں بلیک اینڈ وائٹ فلموں کی جگہ کلر فلمیں بننا شروع ہوگئیں۔محمد علی کی لازوال فلم "چراغ جلتا رہا" کراچی کے نشاط سینما میں لگی تھی۔1962 میں لگنے والی اس فلم کے پریمیئر شو یعنی افتتاحی تقریب کی صدارت کس نے کی تھی۔کوئی اداکار، موسیقار، صداکار یا سیٹھ نہیں تھا۔جناب والا، اس فلم کا افتتاح مادرِ ملت، محترمہ فاطمہ جناح نے فرمایا تھا۔فلم کے شعبہ کی اہمیت، انفرادیت اور سنجیدگی کا اس اَمر سے اندازہ لگایئے کہ افتتاحی تقریب پر ملک کی سب سے باوقار اور ہردلعزیز شخصیت تشریف لائی تھیں۔کیا آج پاکستان میں تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ ملک کا وزیراعظم، صدر یا کوئی اہم سیاستدان، کسی بھی فلم کی افتتاحی تقریب میں آکر اس فلم کو عزت بخشے۔کم از کم میرے لیے تو 2018 میں یہ تصور کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

کسی نے بھی ہمارے ثقافتی زوال پر غور نہیں کیا۔سیاسی کشمکش، کھینچا تانی اور عامیانہ پن نے ہمارے ثقافتی شعبہ کو بھی برباد کردیا۔اسکا گلہ گھونٹ کر قتل کردیا۔فلمی شعبہ سے منسلک لوگوں کو کمترین درجہ دیا گیا۔یہ نادر شعبہ 1977 کے بعد ضیاء الحق کی منافقانہ پالیسیوں کی وجہ سے زوال کا شکار ہوگیا۔سینما گھر، پلازوں میں تبدیل ہوگئے۔نگارخانے گودام بن گئے۔یا رہائشی کالونی بنادیے گئے۔ریاستی سطح پر ضیاء الحق اور اسکے ہم خیال لوگوں نے اس بے مثال انڈسٹری کو گناہ اور ثواب کے اس چکر میں ڈال دیا، جس سے اسکا نکلنا تقریباً ناممکن ہوگیا۔لاہور اور کراچی کے نگارخانوں نے دس ہزار اردو فلمیں بنائی تھیں۔ساتھ ساتھ آٹھ ہزار پنجابی، چھ ہزار پشتو اور دو ہزار سندھی فیچر فلمیں بنائی گئیں۔مگر 77 کے مارشل لاء نے ایک جاندار انڈسٹری کو برباد کرڈالا۔اب سال میں چند اچھی فلمیں ضرور بنتی ہیں۔مگر سابقہ سنہرا ادوار آج تک واپس نہیں آسکا۔

ہالی وڈ یا بمبئی کی فلم انڈسٹری پر بات نہیں کرنا چاہتا۔اسلیے کہ ان ملکوں کی اقتصادی بہتری میں انکی فلموں کا کمال ہاتھ ہے۔ہالی وڈ کے باکس آفس کا سالانہ ریونیو چالیس بلین ڈالر سے زیادہ ہے۔انڈیا میں یہی عدد، دو بلین ڈالر سالانہ سے زیادہ ہے۔انڈیا میں

سالانہ 1986 کے قریب فلمیں بنتی ہیں۔حیرت کی بات ہے کہ نائجیریا میں فلمیں بنانے کا رجحان ہالی وڈ کے تقریباً برابر ہے یا شائد تھوڑا سا فرق ہے۔عمومی طور پر امریکہ میں سالانہ سات سو سے آٹھ سو فلمیں بنتی ہیں۔یہ پوری دنیا میں دیکھی جاتی ہیں۔ان سے جو منافع یا سرمایہ ظہور پذیر ہوتا ہے وہ بذات خود اربوں ڈالر میں ہے۔پوری دنیا میں فلم انڈسٹری نام کا استعمال بہت کم ہے۔اسے انٹرٹینمینٹ انڈسٹری کہا جاتا ہے۔یہ درست عنوان ہے۔دنیا میں کوئی بھی انسان غار میں زندگی گزارنا پسند نہیں کرتا۔ہر ایک کو کسی نہ کسی طرح کی تفریح ضرور چاہیے اور فلم ایک معیاری تفریح ہے۔عرض کرونگا کہ ملک میں ضیاء الحق نے جس طرح نئی طرح سے منافقانہ سوشل انجینئرنگ کی،اس سے بالکل قطعِ نظر،تفریح انسانی فطرت کا جزو ہے۔اس سے کوئی بشر بھی مبرا نہیں۔

یہ درست ہے کہ اب پاکستان میں روایتی پابندیاں تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ایک ایسی نوجوان نسل وجود میں آئی ہے جو اپنی روایات کو سینے سے لگا کر رکھتی ہے۔مگر ہر طریقہ سے جدید ترین رویوں کی حامل بھی ہے۔فلم بینی ان میں سے ایک مہذب رویہ ہے۔کسی کو نقصان پہنچائے بغیر دو گھنٹے کیلیئے کم از کم انسان خوش تو ہو جاتا ہے۔ہماری فلم انڈسٹری ابھی تک پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکی۔اسکی بہت سی وجوہات ہیں۔ان وجوہات پر نظر ڈالے بغیر اور ان مشکلات کو ختم کیے بغیر ہم اپنی اس صنعت کو ترقی نہیں دے سکتے۔یہاں عرض کروں،اگر پاکستان صرف بین الاقوامی سطح کی فلمیں بنا کر برامد کرنا شروع کر دے،تو ہمارا قومی خزانہ ڈالروں سے لبریز ہو سکتا ہے۔امریکہ اور انڈیا کی اقتصادی ترقی میں انکی فلم انڈسٹری کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔مشکلات کی بات ہو رہی تھی۔ہمارے چند موجودہ مایہ ناز ڈائریکٹر ہر وقت انٹرویو میں شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ اس شعبہ میں سرمایہ کاری نہیں ہو رہی۔یہ بات جزوی طور پر درست ہے۔مگر سکے کے دوسرے رخ پر ان حضرات نے کبھی بات نہیں کی۔ایسے بہت سے سرمایہ کار ہیں جو نیک نیتی سے فلم بنانے گئے۔مگر ڈائریکٹر صاحبان نے انکے سرمایہ کو اس طرح برباد کیا کہ وہ لوگ فلم پروڈکشن سے توبہ تائب ہو گئے۔ہمارے اکثر ڈائریکٹرز،انتہائی نچلی سطح سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اوپر پہنچے ہیں۔اس ترقی پر کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔مگر فنی تعلیم اور پروفیشنل رویہ کی عدم موجودگی میں یہ فلم سازوں کو صرف اور صرف ایک "آسامی" سمجھتے ہیں۔یا ایک تجوری،جس میں یہ نقب لگا سکتے ہیں۔ایک دوست امریکہ سے چار سال پہلے پاکستان تشریف لائے۔لاہور میں ایک ٹیلی فلم بنانے کا ارداہ کیا۔اتفاق سے جو ڈائریکٹر منتخب کیا،وہ حقیقت میں نوسر باز ٹائپ انسان تھا۔اس نے چار لاکھ کی فلم،دس بارہ لاکھ میں مکمل کروائی۔کاسٹ کو بھی آدھے پیسے دیے۔یعنی اس میں بھی کمیشن لینا شروع کر دیا۔معائدے کے مطابق ٹیلی فلم کی مارکیٹنگ اس ڈائریکٹر کی ذمہ داری تھی۔پیسے لینے کے باوجود ڈائریکٹر نے اپنی قانوی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ایک ادنیٰ سی ٹیلی فلم بنا کر رفو چکر ہو گیا۔اس طرح کی درجنوں کہانیاں ہیں۔جہاں پڑھے لکھے لوگ سرمایہ کاری کرنے آئے،مگر انہیں اتنے ادنیٰ درجے کے لوگ ملے کہ توبہ توبہ کرتے،اس شعبہ سے کوسوں دور بھاگ گئے۔واضح رہے کہ تمام ہدایت کاروں کی بات نہیں کر رہا۔بہر حال ایک خاص اکثریت انہی رویوں کی مالک ہے۔

آگے بڑھیے۔ہمارے پاس بہت سے نایاب فنکار ہیں۔کمال کے پروفیشنل لوگ۔اگر یہ افراد انڈیا یا امریکہ میں ہوتے تو ارب پتی ہونے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں پہچانے جاتے۔مگر اس شعبہ میں متعدد مرد اور خواتین مکمل طور پر غیر پیشہ وارانہ رویوں کے مالک

ہیں۔سیٹ پر لیٹ آنا تو خیر معمول کی بات ہے۔مگر پیسے لینے کے باوجود بھر پور اداکاری نہ کرنا ایک وطیرہ ہے۔اگر کوئی ڈائریکٹر دو یا تین بار دوبارہ ٹیک لینے کیلئے کہتا ہے تو یہ لوگ ناراض ہو جاتے ہیں۔انکا فنی رویہ اس قدر ادنیٰ ہے کہ ڈائریکٹر مجبور ہو کر سین کو اوکے کر دیتا ہے۔یعنی یہ جس کام کے پیسے لیتے ہیں اس میں بھی سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔واپس جانے کی جلدی لگی ہوتی ہے۔اگر انہیں خدانا خواستہ ریہرسل یا ڈائیلاگ یاد کرنے کے متعلق کہا جائے تو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ان میں ہر مرد اداکار اپنے آپکو مارلن برانڈو سے کم نہیں سمجھتا اور خاتون اداکارہ کی بات تو رہنے دیجئے۔کوئی بھی اپنے آپکو صونیہ لارلین سے کم نہیں سمجھتی۔اس ساری صورتحال کا نقصان ان فنکاروں کو ہوتا ہے جو سچے جذبہ اور ایمانداری سے کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اہلیت والے لوگوں کو رُلتے دیکھا ہے۔رنگ باز اور دونمبر فنکاروں کو آکاش بیل کی طرح پنپتے دیکھا ہے۔مگر اب کچھ صورتحال بہتر ہو رہی ہے۔کم از کم ٹی وی کی حد تک پڑھے لکھے لوگ اس شعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔انکا مستقبل، ہماری انڈسٹری کے مستقبل سے جڑا ہوا ہے۔

اسی طرح جاندار فلمی سکرپٹ رائٹرز کی بے حد کمی ہے۔اگر کوئی فلمساز یا ہدایتکار، نئی کہانی پر فلم بنانا چاہتا ہے تو ننانوے فیصد ناکامی ہوگی۔عجیب بات ہے کہ کمرشل لکھاریوں نے مختلف طرح کے سکرپٹ پہلے ہی سے سجا کر رکھے ہوتے ہیں۔بالکل کریانے کی دکان جیسے۔جو بھی گاہک آیا، اس کے سر پر چرب زبانی سے کام لیکر ادنیٰ سا سگریٹ مسلط کر دیا۔نئی کہانی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔وہی عامیانہ پن جو فلمسازوں، ڈائریکٹروں اور فنکاروں میں عود کر آیا ہے۔لکھاری بھی اس آفت سے قطعاً محفوظ نہیں۔چربہ سازی کا اس درجہ قیامت خیز رجحان ہے کہ اوریجنل کہانی ملنا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ایک اور طرح کی دوعملی بھی ہے۔اگر کوئی نیا لکھاری، کسی کو اپنی لکھی ہوئی جاندار تحریر سناتا ہے۔تو وہ شخص انتہائی اطمینان سے کہانی کو اپنا کہہ کر فروخت کر دیتا ہے۔بے شرمی کی انتہا یہ ہے کہ جس خیال یا کہانی سے اسکا دور دور تک کوئی تعلق نہیں، اسے وہ اپنی تصنیف بنا کر دام کھرے کر لیتا ہے۔یہ ادبی قذاقی بھر پور طریقے سے موجود ہے۔اسکا کوئی سدِ باب نہیں۔کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

اب بڑے شہروں میں اچھے نئے سینما گھر بن رہے ہیں۔ان میں آرام دہ ماحول مہیا کیا جا رہا ہے۔درست ہے کہ انکی ٹکٹیں قدرے مہنگی ہیں۔مگر سہولت کے حساب سے مناسب ہیں۔لاہور شہر میں چند برسوں میں کئی ملٹی پلکس سینما گھر بن چکے ہیں۔یہ رجحان، معاشی طور پر بھی جاندار ہے اور نئی فلموں کیلئے صحت مندانہ بھی۔معاشرے میں منظّم طریقے سے پھیلائی گئی منافقت اور تنگ نظری اگر آڑے نہ آئی، تو ہماری فلم کا مستقبل کافی بہتر ہے۔اگر پڑھے لکھے لوگ، اس شعبہ میں آئیں۔پروفیشنل طریقے سے بے لاگ کام کریں تو فلم انڈسٹری بہت تیزی سے ترقی کر سکتی ہے۔اگر ماضی والا منافقانہ رویہ ہی پیہم رہا، تو پھر جو ملک کے حالات ہیں، وہی اس صنعت کے بھی رہینگے۔یہ قوم تفریح کو ترسی ہوئی ہے۔گمان ہے کہ تمام مشکلات عبور ہو جائینگی۔آخر بھوکی قوم کو مناسب سی جائز تفریح تو ضرور ملنی چاہیے!

راؤ منظر حیات